’خواب‘

وہ اس طرح سے سوچ رہی تھی جیسے اُسے کپاس کے پودے اُگانے ہوں۔ پہلے بیج بوئے پھر پانی دے دے کر سینچے پھر ان پر روئی لگے۔ روئی توڑ کر اس سے دھاگا کاتے اور ایسی چادر بنُے جو اسے اور اسکے بچے کو سردی اور گرمی سے محفوظ رکھ سکے۔

زرینہ گھر کے دروازے پر بیٹھی بے دلی سے دال چن رہی تھی۔اداس تھی۔زندگی سے سمجھوتہ کرنا مشکل ہو رہا تھا۔چھ ماہ پہلے اس کی شادی ہوئی۔اس کا شوہر بس ایک آدمی تھا۔جس کو صرف وقت پر کھانا، پہننے کے لئے دھلا ہوا کرتا۔دھوتی اور رات کو صاف ستھرا بستر چاہئے تھا اور بس۔

اس کی ماں تمام دن محنت مزدوری کرتی تھی تو دو وقت چولھا جلتا تھا۔نذیر صبح ہوتے ہی دوستوں کے ساتھ گھومنے نکل جاتا یا پھر دیر تک بستر میں خراٹے لیتا رہتا۔گھر میں ہزار نخرے کرتا۔زرینہ بے زار تھی اپنی زندگی کے اس روپ سے بچپن سے اسنے بہت سارے خواب بنے تھے۔اسکے اندر ایک اور ہی لگن تھی۔جس طرح ایک چڑیا اپنا گھونسلہ بناتی ہے تو ایک ایک تنکا جمع کرتی ہے۔تب کہیں ایک چھوٹی سی جگہ بنتی ہے۔لیکن یہ سارا مرحلہ کیسے طے ہوتا ہے یہ تو چڑیا اور اسکا ننھا سا وجود ہی جانتا ہے۔لیکن اِس میں اس کے خواب بنےُ ہوتے ہیں اسلئے وہ کر گزرتی ہے۔ورنہ تو عقل سے کوئی سوچنے بیٹھ جائے تو کچھ بھی ممکن نہیں ہوتا۔ایک چھوٹا سا پرندہ اپنی چھوٹی سی چونچ میں اپنے سے بڑا تنکا اٹھائے اڑتا ہے۔اور ایک اونچے درخت کی اونچی سی شاخ پر جا کر رکھ دیتا ہے۔اتنی اونچی جگہ ہوا آندھی بارش اور چھوٹا سا تنکا۔اسکی کیا بساط کے رک سکے۔لیکن عزم کے آگے وہ تنکا ٹک جاتا ہے۔ہوا بھی ہار مان کر کچھ دیر کے لئے رک جاتی ہے۔اور چڑیا تنکے اکٹھے کر کے اپنا گھونسلہ بنانے میں کامیاب ہو جاتی ہے اس میں اپنے انڈے رکھتی ہے۔چاہے کتنی ہی بارش ہو۔ٹھنڈی ہوا چلے اسکے گرم پروں سے انڈے گرم رہتے ہیں۔

اور پھر ایک دن جب چڑیا اپنی پرواز سے واپس اپنے گھونسلے میں آکر بیٹھتی ہے تو اسکا چھوٹا سا بچہ انڈے میں سے جھانکتا ہوا نظر آتا ہے اسکی چھوٹی سی پیلی چونچ اسکی منتظر ہوتی ہے۔قدرت کے اس کارنامے پر اسقدر خوش ہوتی ہے کہ وہ دن بھر کی محنت سے چن کر کھایا ہوا دانا اپنے معدے سے نکال کر اپنی چونچ سے اسکی چونچ میں ڈال دیتی ہے۔بچہ اسکے پروں میں پناہ لیتا ہے اور چڑیا آنکھیں بند کر کے اسکے بڑے ہونے کا خواب دیکھتی ہے۔اسکے

خوابوں میں پہلے اسکے پر نکلتے ہیں۔ پھر وہ اسکے ساتھ پہلی پرواز کی کوشش کرتا ہے ماں کا دل دھڑکتا ہے۔ وہ دعاء کرتی ہے۔ اللہ کرے یہ کبھی نہ گرے، اللہ کرے اسے کبھی چوٹ نہ لگے۔ اللہ کرے یہ میری طرح اڑنے لگے۔ اسکی دعاء قبول ہوجاتی ہے۔ اسکے بچے کے پر نکل آتے ہیں۔ پہلے وہ ڈرا ڈرا سا رہتا ہے۔ چلتے ہوئے لڑکھڑاتا ہے پھر ماں کے پروں کے ساتھ مل کر اپنے چھوٹے چھوٹے پر کھولتا ہے اور آنکھیں بند کر کے خود کو چھوڑ دیتا ہے۔ ایک دم سے اسکے پروں میں طاقت آجاتی ہے وہ اڑنے لگتا ہے۔ یہ دیکھ کر ماں کا دل باغ باغ ہو جاتا ہے وہ خوش اور مطمئن ہو جاتی ہے کہ اسکا مشن پورا ہوا۔

ایسے ہی ایک ماں نو ماہ اپنے بچے کو پیٹ میں پالتی ہے پل پل ایک نیا سپنا دیکھتی ہے۔ اور اپنے ارد گرد سپنوں کا ایک جال بنا لیتی ہے اور اس جال میں خود کو لپیٹ لیتی ہے۔ ہر دن کی تکلیف بھول جاتی ہے۔ اگر وہ ماں ایک مزدور ہے تو بھی اور ایک شہزادی ہے تو بھی۔ تکلیف اور خواب ایک جیسے ہوتے ہیں۔ بس ماحول بدلا ہوا ہوتا ہے۔

زرینہ بھی ایک ایسے ہی مرحلے سے گزر رہی تھی۔ جب سے اسے یہ محسوس ہوا تھا کہ وہ ماں بنے والی ہے۔ اپنی اداسی میں بھی بہت خوش تھی۔

چھوٹے سے قصبے میں پیدا ہونے والی زرینہ اپنے سارے خواب تو پورے نہیں کر سکتی تھی لیکن کوشش میں تھی۔ جب وہ بہت چھوٹی تھی تو اپنی ماں کے ساتھ گاؤں کی ڈسپنسری جایا کرتی تھی۔ وہاں نرس کو سفید کوٹ پہنا دیکھتی تو سوچتی تھی میں بھی ایسا ہی کوٹ بڑے ہو کر پہنوں گی اور سب کے زخموں پر دوائی لگا کر پٹی باندھا کرونگی۔ انجیکشن بھی لگا کر درد دور کر دیا کرونگی۔ لیکن ان خیالوں میں یہ بھول جاتی تھی کہ اسکے پیٹ میں درد تھا اور اسکی ماں اسے ڈسپنسری پیٹ کے درد کی دوا کے لئے لائیں تھیں۔

جب نرس مسکرا کر اس سے معلوم کرتی۔

’کیوں بے بی کہاں درد ہے۔؟‘ تو وہ کچھ نہیں بتاتی بس اسکا سفید کوٹ دیکھتی اور خوش ہوتی۔

رات کو پھر پیٹ میں درد ہوتا تو ماں ڈانٹتی۔

’جب ڈاکٹر کے پاس لے کر جاتی ہوں تو کچھ نہیں بولتی۔‘

ڈاکٹر کا نام سن کر وہ پھر سفید کوٹ میں کھو جاتی اور خواہش کرتی کہ صرف ایک بار ہی وہ کوٹ پہن کر میں دیکھوں کیسا لگتا ہے۔ زرینہ کچھ اور بڑی ہوئی ایک دن اسکی ماں اسے ہسپتال لے کر گئی۔ تو اسنے ڈرتے ڈرتے کوٹ کو ہاتھ لگا کر پوچھ ہی لیا۔

'ڈاکٹر، یہ کوٹ پہنے کے لئے کتنا پڑھنا ہوتا ہے۔'

نرس نے غور سے دیکھا اور مسکرائی۔ 'بے بی یہ کوٹ تم کو بہت اچھا لگتا ہے۔ دل چاہتا ہے یہ کوٹ پہنے کو۔ پہن کر دیکھ لو تمہارا شوق پورا ہو جائے گا۔' اسنے کوٹ کو ہاتھ لگایا۔ اسے لگا جیسے وہ بہت دور نکل گئی ہو ایک خواب دیکھنے کے لئے۔

زندگی کے دن، ماہ، سال اور گزرنے لگے۔ اسنے بہت ضد کی ماں کی خوشامد بھی کی کے میں اسکول جانا چاہتی ہوں۔ ہر بار ایک ہی جواب تھا نہیں اور نہیں۔ اس سے آگے اسے اور اسکی ماں کو راستہ ہی نہیں ملتا تھا۔ گاؤں کے ساتھ ہی ایک آفسرز کالونی تھی۔ وہاں ایک نئے منیجر آئے۔ انکے دو چھوٹے بچے تھے۔ اس کے باپ نے اسے ان بچوں کے ساتھ کھیلنے کے لئے ملازم رکھوا دیا۔ وہ خوش تھی۔ بچوں کے ساتھ بھی کھیلتی اور گھر میں بہت محنت اور شوق سے کام کرتی۔ گھر کی مالکن بہت محبت کرنے والی عورت تھی اُسے زرینہ کے آنے سے بہت آرام ملا۔

زرینہ ڈرائنگ روم اتنی محنت اور نفاست سے صاف کرتی۔ کہ کئی دن صفائی نہ بھی کرو تب بھی کمرہ صاف رہتا۔ فرش پر بیٹھ کر ہاتھ کے برش سے قالین اتنی محنت سے صاف کرتی کہ ہر روز نئے کا گمان ہوتا۔ لان میں جاتی تو کتنی کتنی دیر پودے دھوتی رہتی۔ ساری کیاریوں کو فالتو پتوں سے صاف کرتی، کچھ اچھے پھول توڑ کر دھو کر ڈائنگ ٹیبل اور ڈریسنگ ٹیبل پر سجاتی۔ اور خوش ہوتی۔ خوابوں میں اُسے وہ اپنا گھر لگتا۔ بچے اسکول سے گھر آکر جب اپنا ہوم ورک کرتے تو پاس بیٹھ کر غور سے کاغذ پر پنسل چلتے ہوئے دیکھتی رہتی۔ بچے لکھے ہوئے کاغذ پھینک دیتے۔ تو وہ اٹھا کر رکھ لیتی اور فارغ وقت میں انھیں دیکھتی رہتی۔

ایک دن اُسے گھر کی بیگم نے اسطرح دیکھا تو بہت خوش ہوئیں۔ اسے بہت پیار کیا۔ اور ایک نئی کاپی اور پنسل اسے دی۔ اور بولیں۔ 'آؤ زرینہ میں تمہیں پڑھنا اور لکھنا سکھاتی ہوں۔' زرینہ کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ

خواب دیکھ رہی ہے یا حقیقت میں پڑھنا اور لکھنا سیکھ لے گی۔ وہ بے اختیار خوش ہو کر بیگم سے لپٹ گئی۔

وہ بہت ذہین تھی۔ کچھ ہی دن میں لکھنا پڑھنا سیکھ لیا۔ بچوں کے اسکول جانے کے بعد جلدی جلدی گھر کے کام ختم کرتی اور اپنی کاپی اور کتاب کھول کر اسطرح بیٹھتی جیسے وہ اسکول میں ہو۔ اسکول اسکا ہواؤں میں ہو۔ وہ ایک پری ہو اور ہواؤں میں اڑتی جا رہی ہو۔ آگے اور آگے۔ اور اسکا یہ خواب جب ٹوٹا جب اسے آواز دی جاتی۔

'زرینہ آج کا سبق بھی پڑھو گی یا نہیں'۔

اور وہ پھر سنبھل کر اپنا ڈوپٹہ اوڑھ کر پڑھنے ایسے بیگم کے پاس آ کر بیٹھتی جیسے کوئی عبادت کر رہی ہو۔

دو سال میں اسنے اتنا پڑھ لیا کہ کچن کے سارے اخراجات لکھنے لگی۔ اور گھر میں جتنے میگزین آتے تھے۔ پڑھنے اور سمجھنے لگی۔ کچن میں اتنی مہارت ہو گئی تھی کہ اچھا کھانا بنانے لگی تھی۔ چھوٹے چھوٹے فراک سی کر کپڑے سینا سیکھا۔ اور پھر بیگم کے پورے پورے سوٹ سینے لگی۔ بیگم کسی پارٹی میں اسی کے ہاتھ کا سلا ہوا کرتا پہن کر جاتی پھر گھر آ کر اسے خوشی سے بتاتی۔

'زرینہ تمہارے ہاتھ کے سلے ہوئے کرتے کی فٹنگ کی محفل میں سب عورتوں نے بہت تعریف کی۔ مجھ سے اچھا تو اب تم سینے لگی ہو'۔

زرینہ خوش ہو کر کہتی۔

'باجی مجھے تو آپ نے ہی سکھایا ہے۔ اب آپ کو سینے کی ضرورت نہیں میں جو ہوں'۔

زندگی کے دو اور سال بیت گئے۔ وہ اب اور بھی ماہر ہو گئی تھی رات کو گھر آ کر بھی ایک سوٹ اور سینے لگی تھی۔ کالونی کی سب بیگمات اسکے ہاتھ کے سلے ہوئے کپڑوں کی شیدائی تھیں۔ کپڑوں کی فٹنگ ہی ایسی ہوتی تھی کہ جسم پر رکھ کر سیا گیا ہو۔ زرینہ اپنے خوابوں کے ساتھ اٹھارہ برس کی ہو گئی۔ وہ ماں باپ کے لئے آمدنی کا بہت بڑا ذریعہ تھی لیکن پھر بھی باپ کو اسکی شادی کی فکر تھی۔

لیکن یہ کوئی نہیں جانتا تھا کہ زرینہ کے اپنے خواب بھی ہیں۔ پھر ایک دن اسکی شادی ہو گئی۔ اسکا

شوہر بس ایک آدمی تھا۔ جسے وقت پر گرم کھانا چاہئے تھا۔ صاف گھر اور بستر چاہئے تھا۔ بیوی کی ضروریات ایک ساتھی کا ساتھ کیا ہوتا ہے وہ ان سب باتوں سے نا آشنا تھا۔ زرینہ شادی ہو کر ایسے گاؤں میں گئی جہاں عورتیں کرتا، لاچہ اور ایک بڑا سا ڈوپٹہ پہنتی تھیں۔ تمام دن کھیتوں میں مزدوری کرتی تھیں۔ کھانا پکانے کے لئے اپلے جلتے تھے۔ وہاں پر کوئی بھی گھر ایسا نہیں تھا جہاں کمرے سجے ہوئے ہوں۔ گھر کے آگے کیاریاں ہوں جہاں پھول کھلتے ہوں۔ زرینہ تمام دن گھر میں اکیلی بیٹھی پھول کاڑھتی رہتی لیکن کتنا کاڑھتی اور کون سراہتا اسکی گل کاری کو۔

ایکدن اس کے شوہر نے اسکو خوب ڈانٹا۔

'سب عورتیں یہاں مزدوری کے لئے کھیتوں میں جاتی ہیں تو کیوں نہیں جاتی۔ میری ماں بھی تو مزدوری کے لئے جاتی ہے تیرے اندر ایسی کیا خاص بات ہے جو تمام دن یوں ہی بیٹھی رہتی ہے۔'

اگلے دن وہ نہ چاہتے ہوئے بھی کپاس چنے کے لئے چلی گئی۔ سخت گرمی تھی۔ اور پھر اسکے اندر بھی غصے کی گرمی بھری ہوئی تھی۔

'یہ تھے میرے خواب۔ اور یہ ہوں میں۔' وہ بالکل نہیں روئی آنسو اندر ہی اندر پیتی رہی سخت گرمی کے باوجود اُسنے شام تک کام کیا۔ جب شام کو کپاس وزن کی گئی تو اسکی روئی سب سے زیادہ تھی۔ غصے اور نفرت کی گرمی نے اسکی طاقت کو اور کام کرنے کی رفتار کو زیادہ بڑھا دیا تھا۔ صبح سے شام تک اسے نہ بھوک تھی اور نہ پیاس۔

ایک ماہ کے بعد روئی چننے کا کام ختم ہوا۔ ان تمام دنوں میں اسنے اپنا منہ تک ڈھنگ سے نہیں دھویا۔ ایک ماہ کی مزدوری اسے جس دن ملنے والی تھی اسکا شوہر صبح ہی وہاں موجود تھا۔ اسکی مزدوری سب عورتوں سے زیادہ تھی۔ وہ بھی اسکے ہاتھ میں نہیں آئی آگے بڑھ کر اسکے شوہر نے لے لی اور بڑھ کر رجسٹر پر اپنا انگوٹھا لگا دیا۔

اگلے دن ایک فضول سے پرنٹ کا سوٹ اور چادر اسکے شوہر نے اسے لا کر دی۔ یہ پہلا تحفہ تھا جو اس کے شوہر نے اسے دیا۔ زرینہ نے کچھ نہیں کہا۔ بس حیرت سے دیکھتی رہی۔

'ایسے کیا دیکھ رہی ہے۔؟ میں مالک ہوں تیرا۔ شوہر ہوں، جو مرضی ہوگی کرونگا۔'

ساس نے بھی کہا۔

’ہمارے گھروں میں عورتیں نہیں بولا کرتیں۔‘

زرینہ بہت دیر تک سوچتی رہی میں کیا بولی تھی۔؟ باہر جا کر گھڑے سے ٹھنڈا پانی لے کر پانی کے چھینٹے آنکھوں پر مارے۔ دیوار پر لگے ہوئے چھوٹے سے شیشے پر نظر پڑی تو چونک کر ہٹی۔ یہ کیا۔۔۔۔۔۔؟ یہ میں نہیں ہوسکتی۔ الجھے الجھے بال۔ آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے۔۔۔۔ حقیقت بس یہی تھی۔ وہ آج بھی نہیں روئی۔ آنسوں اندر ہی اندر پی لئے۔ اندر کی عورت باغی ہو کر احتجاج کر رہی تھی۔ اُسنے رونے اور چیخنے سے اُسے روک دیا۔ وہ کمرے میں جا کر آنکھیں بند کر کے لیٹ گئی۔ لیٹے لیٹے خود کو بہلانے کے لئے کئی خواب اور بنۓ اور ٹھپکی دے کر خود کو سلا دیا۔

سو کر اٹھی تو بدن درد سے ٹوٹ رہا تھا۔ بخار کی کیفیت تھی۔ دو دن گزر گئے کھانے کو بھی دل نہیں چاہ رہا تھا۔ کوئی کام کرنے کی ہمت نہیں تھی کئی دن گزرے۔ ماں نے بیٹے سے کہا آج کل گاؤں میں کام نہیں ہے فصل پکے گی تو کام ہوگا۔ اسکو اس کے گھر چھوڑ آو۔ شادی کے بعد بھی گئی نہیں ہے۔

زرینہ اپنے گھر آئی۔ تو اس نے ماں سے صاف کہہ دیا۔

’ماں اب میں نہیں جاؤنگی کہاں بھیج دیا تھا مجھے کچھ تو دیکھ لیا ہوتا۔ میں کوئی گائے یا بکری تو نہیں تھی ماں میرے ساتھ ایسا ظلم کیوں کیا۔۔۔؟ میں جو ایک فرمانبردار بیٹی تھی۔ سارا سارا دن سر جھکائے، بغیر رکے کام کرتی تھی پھر بھی رات کو کسی بھی وقت ابا کو یا تم کو میری ضرورت ہوتی تھی تو اٹھ جاتی تھی۔ کبھی کچھ نہیں مانگا جو محنت کرتی تھی خوشی سے سارے پیسے تمہارے ہاتھ میں دیتی تھی اپنے لئے کبھی کچھ نہیں مانگا۔ لیکن آج جو میری زندگی ہے وہ کھیتوں میں کام کرنے کے لئے لائے ہوئے مویشیوں جیسی ہے۔‘

ماں ایک مجرم کی طرح خاموش بیٹھی سر جھکائے بیٹی کی فریاد سن رہی تھی کوئی جواب نہیں تھا اسکے پاس۔ مجرم تھی وہ اپنی معصوم بیٹی کی۔

زرینہ منتظر تھی اپنی ماں کے جواب کی۔ وہ کوئی فیصلہ چاہتی تھی۔ پیچھے سے باپ کی گرج دار آواز نے فیصلہ سنا دیا۔ نہ جانے وہ پیچھے کھڑا کب سے باتیں سن رہا تھا۔

’سنو لڑکی اب جو بھی ہے جیسا بھی ہے وہی تمہاری قسمت ہے۔ وہی تمہارا شوہر ہے اور وہی گھر بھی

ہے تمہارا۔ زبان کھولنے والی لڑکیوں کا کوئی گھر نہیں ہوتا۔ یہی آخری فیصلہ ہے میرا اب اس سے آگے میں نہ تم سے کچھ سنوں گا اور نہ تمہاری ماں سے۔ سمجھیں تم۔ جتنے دن تم کو یہاں رہنا ہے رہو۔ اور اپنے گھر واپس چلی جاؤ'

ماں نے بے بسی سے بیٹی کی طرف دیکھا۔ زرینہ ماں کی بے بسی کو ہمدردی سے کچھ دیر دیکھتی رہی۔ پھر ایک عزم کے ساتھ اٹھی۔ کمرے میں جا کر چار پائی پر لیٹی اور چھت کو تکتی رہی آنکھیں بری طرح درد کر رہی تھیں بہہ جانا چاہتی تھی لیکن وہ ضبط کرتی رہی سوچتی رہی پھر فیصلہ کن انداز میں اٹھی باہر صحن میں نلکی منہ ہاتھ دھویا۔ ماں ابھی تک سر جھکائے بیٹھی تھی۔

'میں کالونی میں بیگمات سے ملنے جارہی ہوں پھر واپس آ کر گاؤں جانے کا پروگرام بناتی ہوں'۔ اسکے اس جملے میں کوئی دکھ نہیں تھا۔ فیصلہ تھا عزم تھا۔ وہ کئی گھروں میں گئی۔ کئی بیگمات تو جیسے اسکی منتظر ہی تھیں۔ بہت آؤ بھگت ہوئی۔

'ارے زرینہ تم کہاں چلی گئیں تھیں ہم سب تمہارا انتظار کر رہے تھے۔ کتنے سوٹوں کے کپڑے ہم نے تمہارے انتظار میں رکھے ہوئے ہیں۔ لیکن اب تو تمہاری شادی ہوگئی ہے۔ کیا اب بھی وقت نکال سکتی ہو ہمارے کپڑوں کے لئے۔ کسی نے کہا۔ ہمیں تو تمہارے ہاتھ کا ہی پہننے کی عادت ہوگئی ہے اب بتاؤ کیا کیا جائے'

زرینہ نے کچھ سوچ کر کہا۔

'ہاں ابھی بھی میں آپکا کام کر سکتی ہوں لیکن میرا گھر کافی دور ہے روز روز آنا جانا مشکل ہوگا۔ ہاں یہ ہوسکتا ہے۔ کہ اگر میں نہ آسکوں تو آپ میں سے کسی کا ملازم آ کر مجھ سے کپڑے لے لیا کرے۔ اور دوسری بات یہ کہ میرے پاس مشین نہیں ہے پہلے تو میں منیجر صاحب کی بیگم کی مشین سے کپڑے سی لیا کرتی تھی'

سب خواتین نے مل کر فیصلہ کیا۔ 'ہم تمہیں بازار سے نئی مشین منگوا دیتے ہیں تم آہستہ آہستہ مشین کی قیمت سلائی کے پیسوں سے دیتی رہنا۔ اسطرح سے مشین تمہاری ہو جائیگی اور تم کام بھی کر سکوگی'

زرینہ خوش تھی کہ کچھ ہی دیر پہلے دیکھا ہوا اسکا خوب پورا ہوا۔ وہ گھر جا کر آرام سے سوگئی۔ اگلے دن مشین اور کپڑوں کی گٹھری اسکے گھر آ گئی۔ جو کپڑے جلدی کے تھے اُسنے ایک ہفتے میں دن رات لگا کر سی کے دے دیئے۔

اسطرح مشین کی پہلی قسط ادا ہوئی۔ اور وہ خوشی سے اپنے گاؤں جانے کے لئے تیاری کرنے لگی۔

چلتے ہوئے ماں نے راستے کے لئے روٹی بنا کر رومال میں باندھی۔ گائے کے گلے میں لال ڈُپٹہ گوٹے والا اور گھنٹی پہنائی اور کہا۔

'بیٹی یہ گائے بھی تمہارے ساتھ جائے گی۔'

'ماں یہ کیا ہے۔ کیا اسے بھی میرے ساتھ سختیاں جھیلنے کے لئے رخصت کر رہی ہو'۔

'ہاں بیٹے یہ تمہاری ہی تھی۔ تم نے ہی اس کو پال کو بڑا کیا تھا۔ اب یہ تمہارے ساتھ جائے گی اس کا دودھ تم بھی پیا کرنا اور اپنی ساس کو بھی پلایا کرنا۔'

'میری طرف سے یہ تمہارا تحفہ ہے'۔ بھائی نے کاندھے پر پیار سے ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

زرینہ بغیر کچھ کہے بھائی اور گائے کے ساتھ گاؤں روانہ ہوگئی۔ تمام دن پیدل کا سفر تھا۔ ماں نے دو تھیلے سامان کے بنا کر گائے کی کمر پر لٹکا دیئے تھے۔ وہ چلتے چلتے تھک گئی مگر روئی نہیں۔ وہ ان خوابوں کے تانے بانے میں مصروف تھی جو اس نے بچپن سے دیکھے تھے۔ قسمت کے نام سے جو کھیل اسکے ساتھ کھیلا جارہا تھا۔ وہ بہادری اور ہمت کے ساتھ رہنا چاہتی تھی کوئی سزا تو نہیں تھی کے تکلیف کے ساتھ کاٹے اور اب وہ اکیلی بھی نہیں تھی۔ اس کے ساتھ اس کا بچہ بھی اس کے اندر پرورش پا رہا تھا اب وہ صرف اور صرف اپنے بچے لے لئے سوچ رہی تھی۔ اپنے خواب وہ ضرور پورے کرے گی چاہے دن اور رات اسے محنت کیوں نہ کرنی پڑے۔

وہ اس طرح سے سوچ رہی تھی جیسے اُسے کپاس کے پودے اُگانے ہوں۔ پہلے بیج بوئے پھر پانی دے دے کر سینچے پھر ان پر روئی لگے۔ روئی توڑ کر اس سے دھاگا کاتے اور ایسی چادر بنُے جو اسے اور اسکے بچے کو سردی اور گرمی سے محفوظ رکھ سکے۔ زرینہ تانے بانے سلجھاتے ہوئے دن بھر کا سفر پیدل طے کرتے ہوئے اس گاؤں میں پہنچ گئی جہاں ماں باپ نے اسکا آشیانہ بنا دیا تھا۔ شام ہو رہی تھی وہ صبح کے سات بجے گھر سے نکلی تھی۔ اور اندھیرا ہونے لگا تھا۔ اس گاؤں کے راستے میں کوئی پکی سڑک بھی نہیں تھی۔ کچی پک ڈنڈیوں سے گزر کر وہ گھر میں داخل ہوئی۔ ساس نے چراغ روشن کر لیا تھا۔ پہلے اُسنے گھر کے پیچھے گائے کی رسی ایک درخت کے ساتھ باندھی پھر سامان اٹھا کر کمرے میں

داخل ہوئی۔ گھر کو دیکھ کر بھائی کا دل بھر آیا۔ اسکی پیاری بہن کہاں اور کیسے گھر میں رہ رہی ہے۔ وہ تو خوشی خوشی اسے چھوڑنے آیا تھا۔ اسکے کمرے میں تازہ ہوا کا گذر تک نہیں تھا۔ کھڑکی کے نام پر ایک چھوٹا سا روشن دان تھا۔ کچی مٹی سے لپا ہوا کمرہ آتی ہوئی عجیب سی بو۔ اُسنے بہت تکلیف سے بہن کو دیکھا اور سر جھکا لیا۔

زرینہ کا شوہر ابھی تک گھر نہیں آیا تھا۔ ماں نے بتایا وہ دوستوں کے ساتھ کسی اور گاؤں کے میلے میں گیا ہوا ہے دو چار دن بعد آئے گا۔ زرینہ نے بھائی سے کہا۔

'بھائی یہاں نہانے کا کوئی خاص انتظام نہیں ہے ابھی صرف ہاتھ منہ دھولو۔ کل دریا پر جا کر نہا لینا۔'

زرینہ لوٹے میں پانی لے آئی اور بھائی کا ہاتھ منہ دھلوایا۔ اور کہا۔ بھائی کھانا کھا لو پھر آرام کر لینا۔

ساس نے حیران ہوکر زرینہ کا منہ دیکھا۔ اور دل میں سوچا۔ 'کھانا تو ابھی ہے نہیں اور زرینہ کھانے کے لئے کہہ رہی ہے۔'

زرینہ ساس کی پریشانی کو سمجھ گئی اُسنے کہا۔

'ماں آپ فکر نہ کریں کھانا اماں نے میرے ساتھ دیا ہے۔'

پھر دستر خوان بچھا کر کھانا رکھا اور تینوں نے مل کر کھایا۔ دونوں ہی تھکے ہوئے تھے سو گئے۔ زرینہ جلد ہی اٹھ گئی۔ کھیت سے گھاس کاٹ کر لائی اور گائے کے سامنے ڈال دی۔ پھر بالٹی دھو کر گائے سے دودھ نکالنے کے لئے بیٹھ گئی۔ گائے آرام آرام سے چارہ کھاتی رہی اور وہ دودھ نکالتی رہی۔ جب بالٹی بھر گئی تو زرینہ گھر میں آئی۔ ساس دودھ سے بھری بالٹی کو دیکھ کر حیران رہ گئیں۔

'یہ کہاں سے لائی ہو'

'اماں۔ آتے ہوئے میری ماں نے میرے ساتھ گائے بھیجی ہے۔'

ساس کا تو ایک دم ہی چہرہ اور لہجہ بدل گیا۔

'ہاں ہاں مائیں اپنی بیٹیوں کو ایسے ہی رخصت کرتی ہیں۔ میں آٹا گوندھتی ہو۔ تم پراٹھے بناؤ۔ پھر بھائی کو اٹھانا۔ تھک کر سویا ہے بے چارہ۔'

فضل بہت دیر سے اٹھا ہوا تھا۔ وہ اپنی بہن اور اسکی زندگی کے بارے میں سوچے جا رہا تھا۔ وہ یہ بھی سوچ رہا تھا کہ کیا کرے کہ ایسا کے اس کی بہن کی زندگی سہل ہو جائے۔ وہ اٹھ کر سیدھا بہن کے پاس باورچی خانے میں جا کر بیٹھ گیا، اس وقت بڑی بی بہت خوشگوار موڈ میں تھیں۔

'کہو بیٹا رات کو نیند اچھی آئی۔ تھک گئے تھے نہ بہت۔'

'ہاں ماں جی رات بہت اچھی طرح سے سویا' پھر وہ کچھ بے تکلف ہوا۔

'ماں جی آپکا گھر تو بہت ہی اچھا ہے۔ اگر آپ کہیں تو آپ کے باورچی خانے کی کھڑکی کو تھوڑا سا بڑا کر دوں۔ پھر اچھی روشنی اور ہوا بھی آنے لگے گی اور آپ کو دھواں بھی کم لگے گا۔'

اماں بہت خوش ہوئیں۔

'ہاں بیٹے یہ تو تم نے بہت اچھی بات کی۔ دھوئیں سے مجھے تکلیف بھی بہت ہوتی ہے۔ لیکن کیا تم ایسا کر بھی سکتے ہو۔۔۔؟ کام میں تو وقت لگتا ہے کیا تم اتنا رک سکو گے۔۔؟'

'ہاں ماں جی وقت اور محنت دونوں ہی لگتے ہیں لیکن میں آپکے آرام کے لئے رک بھی سکتا ہوں اور کام بھی کر سکتا ہوں۔ اگر آپ کو آرام ملے تو میں یہ ضرور کر دونگا۔'

'تو بیٹا ضرور کر دو۔ میں اپنے بیٹے کو تو کہہ کہہ کر تھک گئی ہوں پر اسے اپنے دوستوں اور تاش سے فرصت ملے تو کچھ کرے۔'

پھر دھیرے سے بڑبڑائیں۔

'ہٹ حرام کام کا نہ کاج کا' کچھ دیر بعد پھر بولیں۔ 'خدا بخشے زرینہ کے سسر کو انہوں نے بہت محنت سے یہ گھر خود بنایا تھا۔ لیکن کمرے میں کوئی بھی کھڑکی نہیں بنائی کہتے تھے۔ 'سویا تو گرمی میں بھی جا سکتا ہے لیکن کھڑکی کے راستے گھر کی باتیں باہر سنی جا سکتیں ہیں۔ اب انہیں کون سمجھا سکتا تھا کہ زندہ رہنے کے لئے ہوا بھی چاہئے ہوتی ہے۔' وہ کچھ مایوسی سے بولیں۔

کچھ خاموشی کے بعد پھر بولیں۔ 'بیٹا اگر تم رک سکو اور یہ کام کر سکتے ہو۔ تو باورچی خانے کے ساتھ

کمرے میں بھی کھڑکی بنادو میں تمہیں بہت دعاء دونگی۔ میرا بیٹا تو کبھی ہاتھ لگائے گا نہیں۔ اسے تو اللہ نے اتنی عقل ہی نہیں دی کہ وہ کسی کے کام آسکے۔'

اسی وقت زرینہ نے دودھ کا گلاس ماں جی کو دیا۔ وہ بہت خوش ہوئیں۔ ناشتہ کرنے کے بعد تینوں کچن کی کھڑکی بڑی کرنے کے لئے سوچتے رہے۔ بہت سوچ بچار کے بعد انہوں نے کام شروع کردیا۔ دیوار کے اندر تختے لگے ہوئے تھے۔ ایک لمبائی سے اور ایک چوڑائی سے تختہ نکالا۔ اور اسے آری سے کاٹ کر دو ٹکڑے کئے۔ اور کراس بنا کر کھڑکی میں لگا دیا۔ زرینہ نے بھوسا اور مٹی کو گوندھ کر ٹوٹی ہوئی دیوار اہموار کردی۔ جیسے ہی کھڑکی بڑی ہوئی تازہ ہوا کا جھونکا آیا۔ ماں جی نے یک دم خوش ہو کر فضل کو گلے لگالیا۔ اور ڈھیر ساری دعائیں دینے لگیں۔

'بیٹا تو جیتا رہے تیری ماں کا دل ٹھنڈا رہے۔ تو نے مجھے جنت کی ہوا دکھا دی۔'

فضل بھی زرا شوخی میں آ گیا۔ 'اچھا ماں جی پھر مزدور کو چائے ملے گی۔'

'کیوں نہیں ابھی لو۔'

اور وہ باورچی خانے میں گھس گئیں چائے کا ڈبہ دیکھا چائے کی پتی تھوڑی سی تھی۔ سوچ میں پڑ گئیں۔ اگر ابھی چائے بنالی تو صبح پتی نہیں ہوگی۔ زرینہ نے بھائی کو اشارہ کیا۔ فضل تیزی سے کمرے میں گیا۔ بیگ کھولا اور چائے کا ڈبہ اچھالتے ہوئے اماں کے سامنے کردیا۔

'اماں جی اگر یہ چائے ٹیسٹ کی جائے تو کیسا رہے گا۔ میں آپکے لئے خاص شہر سے لایا تھا۔'

ماں جی تو جیسے سکتے میں آ گئیں۔ بہت پیار سے دیکھا۔ اور چائے کا ڈبہ ہاتھ سے لے لیا۔ تینوں نے ملکر میٹھی روٹی چائے کے ساتھ کھائی۔ اب تو ماں جی اور فضل ساتھ ساتھ تھے۔ ماں نے کہا۔

'بیٹا آج تو تھک گیا ہے۔ کل میرے اور اپنی بہن کے کوٹھے کی کھڑکی بھی بڑی کردینا۔ گرمی آرام سے گزر جائے گی۔ ورنہ جب بارش ہوتی ہے۔ صحن سے اٹھ کر کمرے میں جا کر لیٹو تو بہت حبس ہو جاتا ہے۔ اور دل گھبرانے لگتا ہے۔'

اچھا ماں جی۔ اب یہ کام کل کرینگے کیا میں اور باجی تھوڑی دیر کے لئے گاؤں کی سیر کو جائیں۔'

’ہاں بیٹے۔کیوں نہیں ضرور جاؤ۔تم لوگ گھوم پھر کر آؤ۔میں شام کے لئے کچھ بناتی ہوں۔‘

دونوں بہن بھائی گھر سے باہر نکلے۔فضل نے کہا۔

’چلو پہلے اپنی گائے کو تو دیکھ لیں۔کل رات کے بعد دیکھا ہی نہیں۔چھوٹا سا بچہ تھا تب سے ہم اسے پال رہیں ہیں۔لگتا ہے جیسے کوئی ہمارا قریبی رشتہ ہو اس سے۔‘

زرینہ ہنس پڑی۔

’ہاں بھائی چلو میں تم کو اپنی حویلی کا پچھلا حصہ تو دیکھاؤں۔وہ تو ابھی تک میں نے دکھایا ہی نہیں۔‘

دونوں ہنستے ہوئے گھر کے پیچھے چلے گئے۔گائے بچا ہوا چارہ آہستہ آہستہ چبا کر کھا رہی تھی۔فضل نے گھوم پھر کر جگہ دیکھی۔

’باجی یہ جگہ اتنی بڑی ہے کہ تم اپنے کچھ خواب پورے کر سکتی ہو۔ایک کونے میں چھپڑ ڈال کر گائے کے لئے جگہ بنا دیتا ہوں۔اور باقی جگہ کو گھاس پھوس سے صاف کر کے کچھ سبزیوں کے بیج لگا لینا۔سبزی نہ صرف گھر کے کام آئے گی بلکہ بیچ بھی لیا کرنا۔کچن کا خرچ ہی نکلے گا۔اوپر سے نیچے تک جب بیلیں لٹکیں گیں۔تو یہ جگہ بہت خوبصورت ہو جائے گی۔میں شہر جا کر کچھ پھلوں کے پودے لاؤنگا۔آپکو امرود بہت پسند ہیں نا۔اور امرود کی چاٹ واہ بہن کیا ذائقہ ہے۔آپکے ہاتھ میں بھی۔‘

فضل کھڑے کھڑے مزے دار باتین کرتا رہا۔اسے معلوم تھا کہ اسکی بہن پریشان ہے۔وہ بھی وقتی طور پر خوش نظر آ رہی تھی۔وہ نادم تھا وہ بھی اپنی اس پیاری سی بہن کے لئے کچھ نہ کر سکا۔اور باپ کے ایک اشارے پر اسنے سبکی ہاں میں ہاں ملا کر اپنی شہزادی جیسی نازک اور خوبصورت دل رکھنے والی بہن کو قیدِ تنہائی کاٹنے اس جنگل جیسے گاؤں میں بھیج دیا۔

’کیسی پیاری بہن ہے میری کتنا پیار کرتی ہے مجھے۔کیسے ہر چیز کو سجا بنا کر رکھنے کی عادت تھی۔شام کو مجھے چپس بھی بنا کر دیتی تھی تو۔کیسے پلیٹ میں سجا کر کبھی دھنیے کی،کبھی میٹھی چٹنی کے ساتھ کڑھے ہوئے رومال کے اوپر پلیٹ رکھ کر دیتی تھی اسکے بستر اور تکیے کے نیچے سے چمبیلی کے پھولوں کی خوشبو آتی تھی۔اور آج یہ اسکا گھر ہے جہاں ہر چیز مٹی کی

ہے۔ چولھے میں اپلے جلتے ہیں۔ کچا کوٹھا ہے۔اور شوہر جو شکل صورت سے انسان تو ہے لیکن انسانوں والی کوئی ایک بھی عادت نہیں ہے۔'

زرینہ سوچ رہی تھی اور اندر ہی اندر اپنے بھائی کو دعا بھی دے رہی تھی۔ کے میں کتنی خوش نصیب ہوں۔ مجھے تیرا جیسا بھائی ملا۔وہ لڑکی کتنی خوش نصیب ہوگی جو تیری زندگی کی ساتھی بنے گی۔فضل نے خاموشی کو توڑا۔

'باجی سوچ کیا رہی ہو چلو کام کریں۔ میں نے کہیں پڑھا تھا۔کہ زندگی عمل سے بنتی ہے۔ میں تمہارے یہاں کے کام پورے کردوں۔ پھر گھر جاکر اپنی جمع پونجی سے تمہارے لئے بہت سی چیزیں لاؤنگا۔'

'میرے ویر میرے بھائی میرے لئے تو تیرا وجود ہی سب سے بڑا اثاثہ ہے۔'

'اچھا اچھا بجو۔ باتیں کم اور کام زیادہ۔اب سیر ہوگی کل اور آج ہم شام تک کام کریں گے۔' زرینہ کدال اور جھاڑو نکال کرلائی تین گھنٹے میں دونوں نے زمین کے اس ٹکڑے کو جھاڑیوں اور پتھروں سے صاف اور ہموار کرلیا۔اور پانی کا چھڑکاؤ کر کے زمین نرم ہونے کے لئے چھوڑ دی تھی۔گھر آکر دونوں نے ہاتھ منہ دھو کر چائے پی اور ستانے لگے اماں بہت خوش تھیں اور حیران بھی تھیں۔دو چار دن کے لئے مہمان آیا ہے اور کام اتنی محنت سے کر رہا ہے جیسے اسکا اپنا کام ہو۔نہ کپڑے گندے ہونے کا خیال ہے اور نہ تھکتا ہے۔انہوں نے حسرت سے سوچا کاش میرا بیٹا بھی ایسا ہی ہوتا تو میری زندگی کس قدر خوشحال اور آسان ہو جاتی۔

کل میں اُسکے اٹھنے سے پہلے اس کے کپڑے بھی دھودونگی اور ناشتہ بھی بہت اچھا بناؤنگی۔آخر کو مہمان ہے ہمارا۔اور میری بہو کا بھائی بھی۔پہلی بار آیا ہے ہمارے گھر وہ سوچتے سوچتے سوگئیں۔صحن میں سب کے بستر بچھے ہوئے تھے۔صبح ماں جی کی آنکھ کھلی تو سورج نکل چکا تھا۔انہوں نے ساتھ والے بستروں کو دیکھا تو بستر تہہ ہوئے رکھے تھے۔ دونوں چارپائیاں خالی تھیں اور دروازہ بھی کھلا تھا۔ماں جی نے سمجھا زرینہ کمرے میں ہوگی۔باورچی خانے میں چولھا بھی ٹھنڈا تھا۔کمرہ بھی خالی تھا۔سوچا شاید دودھ دھونے گئی ہوگی۔ماں جی نے سر پر چادر اوڑھی اور گھر کے پیچھے چلی گئیں۔تو حیرت سے آنکھیں کھل گئیں۔

فضل کدال سے زمین میں ہل چلا رہا تھا۔اور زرینہ زمین سے نکلنے والے پتھر ایک طرف ڈھیر کر رہی

تھی۔

’ارے تم لوگ یہ کیا کر رہے ہو۔ زرینہ فخر سے تن کر کھڑی ہوگئی۔

’ماں میں اور فضل اس زمین کو صاف کر رہے ہیں۔ فضل کا خیال ہے کہ اسکے ایک کونے میں چھپڑ ڈال کر گائے کے رہنے کے لیے ایک جگہ بنا دیتے ہیں تاکہ وہ دھوپ اور بارش سے محفوظ رہ سکے۔ باقی کی زمین پر کیاریاں بنا کر سبزی اگائیں گے۔ اسطرح نہ صرف گھر کے لئے سبزی حاصل ہوگی بلکہ زیادہ ہوگی تو بیچ بھی دیا کریں گے۔ ماں جی نے خوش ہو کر کہا۔

’آ بیٹے پہلے میں تیری پیشانی چوم لوں۔ کتنی خوش قسمت ہے تیری ماں جسے خدا نے تیرے جیسا بیٹا دیا۔ یہ خیال تو مجھے بھی کبھی نہیں آیا۔ یہ زمین نہ جانے کب سے ایسے ہی پڑی ہے۔ نذیر کے ابا نے کبھی خریدی تھی اور سوچا تھا کہ نذیر بڑا ہوگا تو اپنا گھر بنائے گا۔ اسطرح سے تو کبھی کسی نے سوچا نہیں تھا۔ اور تیرے چھوٹے سے ذہن میں ایک ہی دن میں یہ خیال آ گیا۔ بس تو میرا بیٹا بن جا۔‘

’ارے ماں میں آپکے بیٹے جیسا ہی تو ہوں۔ اور یہ خیال میرا نہیں تمہاری بہو کا ہے۔ یہ ہمیشہ اپنے لئے ایسے ہی کام نکالتی رہتی ہے میں تو آپکے گھر مہمان ہوں کبھی
کبھی آ کر مدد کر دیا کرونگا۔‘

اسنے اپنے سارے نمبر بہت عقلمندی سے اپنی بہن کو دے دیئے۔

’اچھا تو تم لوگ گھر آؤ میں ناشتہ بناتی ہوں۔ فضل اور زرینہ کام میں اسقدر مگن ہوئے کہ وہ بھول ہی گئے کہ ماں ابھی ناشتے کا کہہ کر گئیں ہیں انہوں نے زمین تیار کر لی۔ کیاری کی حد بندی زمین سے نکلے ہوئے پتھروں سے کر دی اور اس سوچ میں تھے کہ گائے کے لئے چھپڑ کیسے بنایا جائے۔ انہیں یہ فکر تھی کہ گرمی کی وجہ سے کہیں گائے بیمار نہ ہو جائے۔

ماں جی نے ناشتے کے لئے پہلے انتظار کیا۔ پھر پراٹھے دسترخوان میں لپیٹے تین کپ اور چائے کی کیتلی ٹوکری میں رکھی۔ چٹائی لپیٹ کر بغل میں دبائی اور ٹوکری لے کر گھر کے پچھلے حصے میں پہنچ گئیں۔ زمین پر چٹائی بچھا کر دسترخوان بچھا دیا۔

’آؤ بچوں ناشتہ تیار ہے۔میں یہاں لے آئی ہوں تم لوگوں کو بھوک لگی ہوگی۔‘

زرینہ بہت خوش ہوئی۔فضل بھی بہن کو دیکھ کر خوش ہوا۔اور بولا۔

’ماں جی۔میں بہت خوش اور مطمئن ہوں اور مجھے یقین ہوگیا ہے کہ میری بہن آپکے پاس خوش رہے گی۔‘

وہ یہ کہتے ہوئے سوچ رہا تھا۔کہ اپنی عمر سے بڑھ کر بات کرر ہا ہے۔ماں جی نے اسے پیار کیا اور کہا۔

’میرے بیٹے تم اطمنان رکھنا میں تمہاری بہن کو جان سے بھی زیادہ عزیز رکھوں گی۔‘

تینوں نے مزے سے ناشتہ کیا۔دسترخوان ماں جی نے تہہ کرکے ٹوکری میں رکھا اور بولیں۔

’اب مجھے بتاؤ کے میں کیا کروں۔شاید میں کوئی تمہاری مدد کرسکوں۔‘

’ماں جی اب سب سے پہلے اپنی گائے دوست کے لئے چھپڑ بنانا ہے کہیں گرمی اور دھوپ سے بیمار نہ ہوجائے میں نے اور باجی نے اسے بہت چھوٹے بچے سے بڑا کیا ہے اس سے ہمیں ایسا ہی پیار ہے جیسے بھائی بہن سے ہوتا ہے۔بس یوں سمجھ لیں یہ ہماری دوسری بہن ہے۔

ماں جی کو ایک بار پھر فضل پر بہت پیار آیا۔وہ کچھ سوچ کر بولیں۔

’مچان پر کچھ لکڑیاں اور بہت ساری رسی رکھی ہوئی ہے۔وہ اتار لو۔گاؤں میں ایک آدمی ہے جو چھپڑ بناتا ہے میں جاکر اس سے بات کرتی ہوں۔‘

بڑی بی خوشی خوشی ان کے ساتھ شامل ہوگئی۔لیکن ان کے پاس اتنے پیسے نہیں تھے کہ چھپر خرید سکیں۔انہوں نے اپنے چاندی کے کڑے نکالے۔اور اسکے بدلے چھپر والے سے بنا ہوا چھپر لے آئیں۔دو دن کے بعد گائے کے لئے چھپر بن گیا اور دل کے اندر ایک چھوٹی سی امید جاگ رہی تھی۔شاید یہ سب کچھ دیکھ کر میرے بیٹے میں کچھ شوق اور لگن پیدا ہوجائے اسلئے وہ سب کچھ جلدی جلدی کر لینا چاہتی تھیں۔

فضل ایک ہفتہ رہا۔دونوں کمروں میں روشن دانوں کی جگہ کھڑکیاں آ گئی۔گھر کے پیچھے والی جگہ ایک خوبصورت شکل میں تبدیل ہوگئی بڑی بی صبح سب سے پہلے اٹھ کر پانی کا چھڑکاؤ کرتیں۔گائے کو گھاس دے کر دودھ نکالتیں۔ضرورت کے مطابق دودھ رکھ کر باقی حلوائی کو دے آتیں۔اور دودھ کے پیسے ایک جگہ رکھنے لگیں۔فضل نے

ایک ہی ہفتے میں گھر کی کایا پلٹ دی تھی۔ جب فضل گھر جارا تھا تو ماں جی کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

'ماں جی آپ فکر مند نہ ہو۔ میں آپ کے لئے سبزی کی پنیری اور پھلوں کے پودے لے کر جلد ہی واپس آؤنگا۔ آپ جو بھی کہیں گی میں اسے ضرور پورا کرونگا بس میری بہن خوش رہے۔ میں اسکے لئے کچھ بھی کر سکتا ہوں۔ ماں جی نے راستے کے لئے ناشتہ بنا کر دیا اور بہت پیار سے رخصت کیا۔ وہ تمام راستے اپنی بہن کے لئے سوچتا رہا کہ وہ کیسے اپنی بہن کو خوش رکھ سکتا ہے۔ سوچتے سوچتے شام ہوئی اور اسکا سفر ختم ہوا۔

گھر پہنچنے پر ماں نے بیٹے کی بلائیں لیں اور خیریت معلوم کی وہ اپنی تھکاوٹ کے باوجود غصے سے بھرا ہوا تھا۔ ایک دم ہی پھٹ پڑا۔

'ماں تم نے اور باپ نے میری بہن کو کس جرم کی سزا دی ہے۔۔؟ کہاں بھیجا ہے۔ کیا تابعداری اسکی سزا ہے۔۔۔؟ اس گاؤں میں اسکی شادی بغیر دیکھے بھالے کر دی۔ جہاں ایک پکی سڑک بھی نہیں ہے۔ جہاں بجلی نہیں ہے۔ صاف پانی نہیں ہے۔ صرف دھول اور مٹی۔ کچے اور پرانے گھر اور سب سے زیادہ وہ نکما بیکار بدمزاج انسان جو صرف تاش کھیلتا ہے۔ ہفتوں گاؤں گاؤں تاش کی بازیاں لگاتا ہے۔ اور جب گھر آتا ہے تو صرف کھاتا ہے۔ اور سوتا ہے یہ ہے میری نازک اور خوبصورت بہن کی کہانی۔ تم لوگوں نے جو کچھ کرنا تھا کر لیا۔ اب میں۔ ہاں میں اسکی زندگی کو خوشگوار بنانے کی کوشش کرونگا۔ میں ہر ماہ جایا کرونگا۔ اسکی خیریت لینے۔ پڑھنا چھوڑ دونگا۔ مزدوری کرونگا اور اسے جا کر دیا کرونگا'

دوسرے ہی دن وہ اسکول جانے کے بجائے شہر گیا۔ وہاں سے کچھ سبزیوں کے بیج امرود کے پودے اور کچھ پنیری خرید کر لایا۔ اور اسی ہفتے صبح ہی صبح گھر سے نکل گیا۔ راستے میں ایک اونٹ گاڑی مل گئی۔ گاڑی والے نے فضل کو اپنے ساتھ بٹھالیا۔ اور سارے دن کا سفر آدھے دن میں کٹ گیا۔ وہ دوپہر میں بہن کے دروازے پر تھا۔ اسنے دروازہ کھٹکھٹایا۔ ماں جی نے دروازہ کھولا۔ گھر میں خاموشی تھی۔

'ماں جی خیریت تو ہے نا' فضل نے چاروں طرف دیکھ کر کہا۔

'ہاں بیٹا سب خیریت ہے۔ نذیر آ گیا ہے۔ جب وہ واپس آتا ہے تو کئی کئی دن سویا رہتا ہے معلوم نہیں

کمبخت کیا کھا کر آتا ہے۔ جو یوں سوتا رہتا ہے۔ اور نیند ٹوٹنے کا نام ہی نہیں لیتی ۔'

پھر ایک دم سے انہوں نے بات بدلی۔ اور بولیں۔

'میرا مطلب ہے بیٹے رات دیر سے گھر آیا تھا اسلئے سو گیا۔'

بھائی کی آواز سن کر زرینہ بھی کمرے سے نکل آئی۔

'ویرا تنی جلدی کیسے آ گیا۔۔۔؟'

'با جی راستے میں ایک اونٹ گاڑی مل گئی تھی۔ اور گھر سے نکلا بھی بہت سویرے تھا۔ یہ لو اپنے سارے پودے اب تم آرام سے لگا لینا۔ اونٹ گاڑی والا کسی سے ملنے گیا ہے۔ میں اسی کے ساتھ نکل جاؤ نگا۔ اور رات تک گھر پہنچ جاؤ نگا۔ کل سے اسکول بھی جانا ہے۔ ماں کو بھی چلتے ہوئے نہیں بتایا تھا۔ اب جب میں آؤ نگا تو تمہارے یہ پودے بڑے ہو جائیں نگے۔ اور ہاں اسمیں دو پودے امرود اور کینو کے بھی ہیں۔ بہت اچھی قسم کے ہیں۔'

زرینہ نے پیار سے کہا۔ 'ویر کچھ کھا پی کے جا۔ سویرے کا نکلا ہوا ہے۔'

'نہیں بس مجھے جلد ہی جانا ہے اپنی گائے سے اور ملاقات کر لوں پھر چلتا ہوں۔'

ماں جی نے جلدی سے میٹھی روٹی کپڑے میں لپیٹ کر دی۔ 'بچے راستے میں کھا لینا۔'

وہ گھر کے پچھلے حصہ میں گائے کو دیکھنے گیا۔ جگہ بہت صاف لگ رہی تھی۔ ماں جی کے لگائے ہوئے دھنیے اور مرچ کے پودے پھوٹ رہے تھے۔ ماں جی بھی لسی کا پیالہ لے کر وہیں پہنچ گئیں۔

'یہ پی لو بیٹا۔ گھر سے بھوکے نہیں جاتے۔'

فضل نے لسی کیا پیالہ پیا اور بہن کے سر پر ہاتھ رکھا۔

'اچھا باجی اللہ آپکی حفاظت کرے میں جلد ہی آؤ نگا۔' یہ کہ کر وہ بھاگتا ہوا نکل گیا۔

زرینہ بہت دیر تک جاتی ہوئی پک ڈنڈی کو دیکھتی رہی جب گھر آئی۔ تو نذیر اٹھ کر چائے کے لئے شور مچا رہا تھا۔

'کہاں مر گئے سب مجھے چائے چاہئے۔'

'جنم جلے پہلے سو کر تو اٹھ۔ پندرہ دن کے بعد گھر آیا ہے۔اور دو دن سے سوئے جا رہا ہے۔ تجھے پتا بھی ہے کہ چولھا جلانے کے لئے لکڑیاں بھی ہیں یا نہیں چائے تو چاہئے۔چائے بنانے کے لئے دودھ چاہئے۔چینی چاہئے چائی کی پتّی چاہئے۔جیب میں چار پیسے ہیں تیرے۔۔؟ سارا دن کھیتوں میں کام کرتی ہوں مزدوری کرتی ہوں۔تو مشکل سے روٹی پکتی ہے۔اٹھ کر بیٹھ اور آنکھیں کھول کر گھر کو دیکھ۔ایک وہ چھوٹا سا بچہ ہے تجھ سے آدھی عمر کا ہے ایک ہفتہ آ کر رہا۔آیا تھا بہن کو چھوڑنے اور کر کے گیا ہے وہ کام جو تیرے تھے۔ایک تو ہے کام کا نہ کاج کا۔دھرتی پر بوجھ۔' ماں جی بہت غصے میں تھیں۔

نذیر ماں کے غصے سے ڈرتا بھی تھا اٹھ کر بیٹھ گیا۔اور چاروں طرف نظریں گھما کر دیکھنے لگا۔گھر کی حالت بدلی ہوئی تھی۔روشن دان کی جگہ کھڑکی نے لے لی تھی۔اور کمرہ پہلے سے زیادہ صاف اور روشن لگ رہا تھا۔'ماں یہ سب کیسے ہوا اور کس نے کیا'

ماں جی نے آ کر نذیر کا غصے سے ہاتھ کھینچا۔'اٹھ اور چل۔میں تجھے اور بھی کچھ دکھاتی ہوں'

وہ کھینچتی ہوئیں اسے گھر کے پیچھے لے گئیں۔زرینہ کیاریوں میں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر بیج بو رہی تھی۔گائے بھی چھپر کے نیچے گھاس کھانے میں مصروف تھی۔

'ماں جی یہ سب کیا ہے۔یہ گائے کہاں سے آئی۔۔۔؟ یہ سب اتنا زیادہ کس نے کیا اور کہاں سے آئے اتنے پیسے۔۔۔؟

ماں جی نے ایک دو ہتڑ اس کی کمر پر مارا اور کہا۔'دیکھ یہ کیا کر رہی ہے۔عورت ہو کر بھی اس زمین کو صاف کر کے ہل چلا کے سبزیاں بوئی ہیں اس نے۔اور یہ سب اس نے اور اسکے بھائی نے کیا ہے۔وہ کر کے گیا ہے یہ سب کچھ۔گائے بھی وہی لایا تھا۔ایک تو ہے باپ کا نام بھی ڈبو دیا ہے۔میں کتنی شرمسار ہوں تجھے معلوم ہے کچھ۔اسکی عمر دیکھ اور حوصلہ دیکھ۔ایک تو ہے مفت کا کھاتا ہے اور سو جاتا ہے۔غلط دوستوں کے ساتھ گاؤں گاؤں بیکار پھرتا ہے۔کچھ شرم آئی تجھے یہ سب دیکھ کر'

نذیر کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔وہ شرمندہ ہو کر ماں کے پاؤں پکڑ کر بیٹھ گیا۔'ماں میں وعدہ کرتا ہوں۔میں

اب خود کو بدل دونگا۔ میں بھی زمین سے مٹی کھود کر اینٹیں بناؤں گا اور ایک مضبوط دیوار بناؤ نگا اس زمین کے چاروں طرف۔'

ماں جی پھر غصے سے بولیں۔' انتظار کس بات کا چلو۔شروع کرو کام۔'

نذیر نے بہت تابعدای سے کہا۔' میں ابھی شروع کرتا ہوں مگر مجھے پہلے چائے کا ایک پیالہ دے دو بہت طلب ہو رہی ہے۔'

ماں جی نے کہا۔تو کام شروع کر میں چائے یہیں بنا کر لاتی ہوں۔'

نذیر کے لئے اب کوئی اور راستہ ہی نہیں تھا۔ وہ وہیں بیٹھ گیا۔ ماں جی تھوڑی ہی دیر میں چائے کی کیتلی اور کدال لے کر آ گئیں۔' یہ لے چائے پی اور پھر کھود مٹی۔'

نذیر ایک کام چور اور ہٹ دھرم ۔ کہنے، سننے اور شرم دلانے سے تو کام نہیں ہوتا۔ یہ تو اندر سے ہی ایک لگن اٹھتی ہے تو کام ہوتا ہے۔ بہت مشکل سے کئی دنوں میں ایک دیوار بنائی اور پھر بھول گیا۔ایک ماہ کے بعد فضل پھر آیا۔تو اس بار اس کے ساتھ کھانے کی چیزوں کے علاوہ کالونی کی بیگمات کے کپڑوں کی گٹھری بھی تھی شام کو پہنچا تھا۔رات رکا اور اگلی صبح ہی چلا گیا۔فضل نے پڑھائی کے ساتھ رات میں کچھ گھنٹوں کی ایک جاب بھی کر لی تھی۔ وہ بہن کی ہر ممکن طریقے سے مدد کرنا چاہتا تھا۔

زرینہ پورا دن مشین سے کپڑے سیتی۔اور اسکی ساس گائے سے دودھ نکالتیں گھروں میں جا کر بیچ دیتیں۔ پودوں کو پانی دیتیں۔سبزی توڑتیں۔سبزی اچھی خاصی ہونے لگی تھی۔ سبزی اور دودھ بیچ کر آمدنی اچھی خاصی ہونے لگی تھی۔اب کھیتوں میں جا کر کام کرنا چھوڑ دیا تھا۔رات کو ماں جی چرخا چلا کر روئی سے سوت بناتیں۔گاؤں میں ایک کھڈی تھی وہ دھاگے کو جا کر اسے بیچ دیتیں۔ بیٹے سے انہیں کوئی امید نہیں تھی۔ وہ پیسے جمع کرتی جا رہی تھیں اور سوچتی تھیں کچھ وقت کے بعد زرینہ کے لئے کام کرنا مشکل ہو جائے گا۔گھر میں پیسے ہونے چاہئیں۔ وہ زرینہ سے بہت خوش تھیں۔ساری عمر کے بعد تھوڑا سا رنگ انکی زندگی میں زرینہ کی وجہ سے آیا تھا، وہ اکثر سوچتیں اگر انہیں ایک اور زندگی مل جائے۔تو وہ زندگی کو نئے سرے سے ترتیب دیں اور اسے خوبصورت بنائیں۔لیکن اپنے بڑھاپے کو دیکھ کر وہ اداس

ہو جاتیں۔

ایک رات ماں جی چرخا چلا رہیں تھیں تو زرینہ نے گرم چائے کا پیالہ لا کر دیا۔

'ماں جی بس کرو۔ بہت تھک گئیں ہو گی۔ لاؤ اب میں یہ چرخا چلاتی ہوں۔'

دعا ایک برقی رو کی طرح دل سے نکلی۔ اور آنکھوں کے راستے زرینہ کے وجود کو چھوتی ہوئی ہوا کے دوش پر اڑ کر ایک عرضی کی طرح اللہ کے پاس پہنچ گئی۔

'ماں جی کیا کھڈی والے سے ایک کرتے کا کپڑا مجھے لا کر دے سکتیں ہیں میری باجی جنھوں نے مجھے یہ سارے ہنر سکھائے۔ سنا ہے وہ ہمیشہ کے لئے باہر جا رہیں ہیں۔ انکو کھدر بہت پسند ہے۔ میں سوچ رہی ہوں ایک کرتہ کڑھائی کر کے تحفہ بنا کر انکو بھیج دوں۔'

'ہاں بیٹا کیوں نہیں۔ دو دن پہلے ہی میں گئی تھیں۔ تو کئی ٹکڑے اسکے پاس تھے میں اٹھا لائیں تھیں۔ دیکھ لو میرے بکس میں رکھے ہیں کام کے ہوں تو لے لو۔' زرینہ نے دیکھے اور تمام دن کی محنت کے بعد ان چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کو خوبصورتی سے جوڑ کر ایک کرتہ بنانے میں کامیاب ہو گئی۔ کچھ اور بہت ہی چھوٹے پیس جوڑ کر ایک بیگ سی لیا۔ وہ خود بھی حیرن تھی۔ یہ ڈیزائین شاید اسنے کبھی کسی میگزین میں دیکھا تھا۔ اسے خود یقین نہیں آ رہا تھا۔ کہ یہ اسنے بنایا ہے۔ اتنا خوبصورت۔ سب سے زیادہ خوشی اسے اس بات کی تھی کے اسکی بی بی دیکھیں گی تو کتنا خوش ہونگی۔ گلے لگا کر پیار کریں گی۔ اور کہیں گی زرینہ تیرے ہاتھوں میں جادو ہے۔ اور اسکی نبض خوشی سے تیز ہو جائے گی۔ وہ ہواؤں میں اڑنے لگے گی۔

'بیٹا کہاں ہو۔ کیا تھک گئیں۔۔۔۔۔؟' ماں جی نے جو یوں خیالوں میں ڈوبا دیکھا تو بولیں۔

'نہیں ماں جی میں سوچ رہیں تھی کہ اگر تھوڑی سی کڑھائی بھی کر دوں تو اس میں چار چاند لگ جائیں گے۔'

یادوں کے ساتھ وہ اپنے بچپن کے سنبھالے ہوئے کچھ اثاثے بھی ساتھ لائی تھی۔ ایک ڈبہ تھا جس میں سوئیٹر بنئے کی کچھ سلایاں، اُون کے بچے ہوئے کچھ گولے۔ کروشیا۔ کڑہائی کے لئے مختلف رنگوں کے ریشمی دھاگے اور کچھ میگزین۔ یہ تھا اس کا قیمتی اثاثہ۔

زرینہ نے اگلا سارا دن اس سوچ بچار میں لگا دیا کہ کس طرح وہ اس سادہ کرتے کو خوبصورت بنا دے۔ اسکی محسن باجی کا کچھ تو حق ادا ہو۔ بہت سوچ بچار کے بعد بہت ہی باریک سی ایک بیل۔ دو رنگوں کے دھاگے سے کرتے کی ایک سائیڈ پر گاڑھی۔ اور ویسی ہی بیگ کے ارد گرد کاڑھ لی۔ ململ کا ایک ڈوپٹہ اس کے جہیز کے کپڑوں میں تھا۔ کچے رنگوں سے چندری رنگ کر ہلکا سا کلف لگا کر چن دیا۔ کپڑے رنگنے کا ہنر بھی اسنے اپنی باجی سے ہی سیکھا تھا۔ اب وہ بے چین تھی کہ کیسے اڑ کر اپنی رہبر کے پاس پہنچے۔ اس دن پہلی بار اسنے نذیر سے سوال کیا۔

'کیا کہیں جانے کے لئے تیار ہو رہے ہو۔'

'ہاں پر تو کیوں پوچھ رہی ہے۔'

'ایسے ہی۔'

پھر بھی تیرا مطلب کیا ہے میں کہیں بھی جاؤں تو کون۔'

'نہیں میں کوئی بھی نہیں ہوں ایسے ہی معلوم کر رہی ہوں۔'

ماں جی سب باتیں سن رہی تھیں۔ ذرا سخت آواز میں بولیں۔ 'بتا تا کیوں نہیں کہاں جا رہا ہے۔'

'پر یہ پوچھ کیوں رہی ہے۔'

زرینہ نے آہستہ سے کہا۔ 'میرا اماں سے ملنے کے لئے دل چاہ رہا ہے اگر اس طرف جا رہے ہو تو میں بھی چلوں۔'

ماں جی نے زور دیتے ہوئے کہا۔ 'اگر اس طرف نہیں بھی جا رہے تب بھی زرینہ کو لے کر جاؤ۔ اور کچھ دن کے لئے چھوڑ کر آؤ بہت دن سے یہ گھر نہیں گئی ہے۔'

'اور یہ گھر کے کام۔۔۔۔' نذیر نے پھر ٹالنے کی کوشش کی۔

'یہ کام میں کروں گی۔ تم سے جو کہا جا رہا ہے وہ کرو' ماں جی نے حکم دیتے ہوئے کہا۔ نذیر نہ چاہتے ہوئے بھی اسے لے جانے کے لئے تیار ہو گیا۔ زرینہ خوشی خوشی اس کے ساتھ نکل گئی۔ قسمت اچھی تھی گھر سے نکلتے ہی ایک بیل گاڑی مل گئی جو اسکے گاؤں جا رہی تھی۔ زرینہ خوابوں میں ڈوبی دوپہر کے بعد گھر پہنچ گئی۔ اسکے گاؤں کی خوشگوار ہوا نے اسکا خیر مقدم کیا۔ ماں اچانک بیٹی اور داماد کو دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔ نذیر تو فوراً ہی چلا گیا اور وہ تازہ دم ہو کر

کالونی چلی گئی۔ منیجر صاحب کے ہاں آج الوداعی پارٹی تھی بہت سارے مہمان جمع تھے۔ اچانک زرینہ کے پہنچ جانے پر بیگم بہت خوش ہوئی۔

’زرینہ تم نے بہت اچھا کیا۔ جاتے ہوئے تم سے ملنے کو جی چاہ رہا تھا۔‘

زرینہ نے اپنے تحفے کا پیکٹ دیا۔ فرحانہ نے کھول کر دیکھا تو حیران رہ گئی۔

’زرینہ کیا واقعی یہ تم نے بنایا ہے۔۔۔؟ اتنا خوبصورت۔ مجھے تو یقین ہی نہیں آ رہا۔ یہ اتنا اچھا کھدر کہاں سے لیا تم نے۔۔۔؟ اور کیا خوبصورت ڈیزائن بنایا ہے تم نے۔ تمہیں تو ڈزائینر ہونا چاہئے۔‘

زرینہ نے کہا۔

’باجی دارصل میری ساس روئی سے دھاگہ بناتی ہیں۔ گاؤں میں کھڈی ہے وہ اس دھاگے سے کھدر بناتا ہے۔‘

فرحانہ کی ایک دوست شہر سے آئی ہوئی تھی۔ وہ کرتہ کو کچھ دیر تک دیکھتی رہی اور بولی۔

’زرینہ کیا تم ایسے کرتے اور پرس اور بنا سکتی ہو۔‘

زرینہ نے بہت معصومیت سے کہا۔’باجی۔ یہ تو میری طرف سے باجی کے لئے تحفہ ہے۔ میری ساس نے مجھے کپڑا لا کر دیا تھا میں نے محنت کر کے بنا لیا۔‘

اچھا تو یہ کرو تم یہ ایک ہزار روپے لو اور میرے لئے ایسا ہی کرتہ ڈوپٹہ اور بیگ بنا دو۔ اور یہ ہے میرا کارڈ میں کراچی میں رہتی ہوں اگر تم میرے ساتھ رہنا چاہو تو جب چاہو آ جانا۔ میری کوٹھی میں ایک کواٹر بھی ہے آرام سے رہ سکتی ہو۔ میری چھوٹی بہن کا ایک بوتیک ہے تم اسکے ساتھ مل کر کام کرنا۔ اور میرے پاس رہنا۔

لیکن یہ بتاؤ کیا تم ماں بن نے والی ہو۔۔۔؟‘

زرینہ شرما گئی۔

فرحانہ خوشی سے بولی۔’بھئی زرینہ یہ تو بہت خوشی کی بات ہے۔ لیکن میں نے کیوں نہیں پہچانا۔۔‘

فرحانہ کی دوست نے کہا۔

’ڈاکٹر لوگ نبض بعد میں دیکھتے ہیں شکل دیکھ کر بتا دیتے ہیں‘۔ ڈاکٹر کا نام سن کر زرینہ کی خوشی کی انتہا نہ رہی

اس کے سامنے سفید کوٹ پھر گھوم گیا وہ اور نزدیک ہو کر بیٹھ گئی۔ 'باجی کیا آپ واقعی ڈاکٹر ہیں'۔

'کیا تم کو یقین نہیں ہے'۔

'نہیں باجی ایسی بات نہیں ہے۔ مجھے ڈاکٹر بہت اچھے لگتے ہیں'۔ 'تو پھر تم میرے پاس ضرور آ جاؤ میں تمہارے شوہر کو بھی کوئی کام دے دونگی۔ کراچی بہت بڑا شہر ہے تمہیں بہت اچھا لگے گا۔ میری کوٹھی میں کواٹر ہے وہ خالی ہے وہ میں تمہیں دے دونگی۔ تمہارا ہونے والا بچہ بھی محفوظ رہے گا۔ جس گاؤں میں تم رہتی ہو۔ وہاں تم جیسی ہنر مند لڑکی کے ساتھ بہت بڑی زیاتی ہے۔ تم ہنر مند ہو۔ سلیقہ شعار ہو۔ اپنی قسمت بنا سکتی ہو۔ کام کے لئے میرے گھر میں اور بھی نوکر ہیں۔ میری ایک چھوٹی بیٹی ہے بس اسے دیکھنا۔ تم یہاں فرحانہ کے بچوں کے پاس رہی ہو اسلئے مجھے تم پر بھروسہ ہے۔ اپنی ساس اور میاں کو راضی کر لو۔ اور میرے پاس آ جاؤ'۔

یہ سب سن کر زرینہ کا تو جیسے سانس رکا جا رہا تھا۔ آنکھیں بند کر کے خدا کا شکر ادا کیا۔ آنِ واحد میں اللہ کا یہ کرشمہ۔ اللہ کو اسکی کونسی بات اچھی لگی جو اتنا بڑا انعام۔ کارڈ اور پیسوں کا لفافہ اسکے ہاتھ میں تھا وہ بہت ادب سے مہمان خاتون اور باجی کو خدا حافظ کہہ کر اٹھی اور کمرے سے نکل گئی۔ رات بھر سوتی جاگتی رہی کراچی جیسا بڑا شہر۔ کیا اسکی ساس اور اسکا شوہر جانے کے لئے تیار ہونگے۔ اور ایسے کئی سوال تھے جو بار بار اسکی خوشیوں کا راستہ روک رہے تھے۔ ڈاکٹر کے پاس رہنا اسکے لئے ایک حج کے برابر تھا۔ وہ ہواؤں میں اڑ رہی تھی رات بھر اسے نیند نہیں آئی۔

فضل صحن میں سویا ہوا تھا۔ وہ چھوٹے سے صحن میں ٹہلتی رہی۔ بھائی کے اٹھنے کا انتظار تھا۔ فضل اپنی بہن کی کیفیت خاموشی سے چادر کے اندر سے دیکھ رہا تھا۔ اور سوچ رہا تھا۔ کہ ایسی کیا بات ہے کہ باجی صبح سے ٹہل رہی ہیں۔ کچھ بے چین ہیں بتانے کے لئے۔ خوش بھی بہت ہیں لیکن گھبرائی ہوئی بھی ہیں۔ آخر بہن کی بے چینی برداشت نہیں ہوئی وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔

'باجی آج باغ کی سیر کرنے کو جی چاہ رہا ہے آم کے باغ میں ٹہل کر آئیں۔ آم بھی بہت سارے لگے ہیں۔ رات کوئل بھی بول رہی تھی'۔

زرینہ کو تو جیسے بہانہ مل گیا۔ 'ہاں ویر چلتے ہیں۔ چائے آ کر پئیں گے'۔

'اور، باجی میرا اسکول' ایسے ہی فصل نے بہن کو چھیڑا۔ زرینہ نے بھائی کا بازو پکڑا۔

'چل ویر جلدی کر۔ آج اسکول دیر سے چلے جانا۔ ماسٹر سے ڈانٹ کھا لینا کہہ دینا

میری پاگل بہن اپنے گاؤں سے آئی ہے۔'

فصل نے پیار سے اپنی بہن کا ہاتھ پکڑا۔ 'تو باجی آج خود ہی مان لیا نہ کے پاگل ہو۔ جب میں کہتا ہوں تو مارنے بھاگتی ہو۔ پتا بھی ہے آج کیا دن ہے۔۔۔؟ آج چھٹی کا دن ہے یعنی اتوار۔ کیا اب دن بھی بھولنے لگی ہو۔'

'میرے ویر آج میں بہت خوش ہوں اور اس خوشی میں دن تو کیا خود کو بھی بھول رہی ہو۔ باغ کی طرف جاتے ہوئے راستے میں بولی۔

'میں تجھ سے کچھ بات کرنا چاہتی ہوں چل باغ میں بیٹھ کر بات کرینگے ایک تو ہی تو ہے جو میری بات سمجھتا ہے ماں سے کہوں گی تو وہ گونگی بن کر خاموش ہو جائے گی۔ ابا دور سے ہی سن کر کسی جیلر کی طرح اپنا فیصلہ سنا دیں گے۔ اور وہ نذیر وہ تو ہے ہی بیکار اسے تو شاید یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ انسان بھی ہے یا نہیں۔ ماں جی کو نہ جانے کونسے گناہ کی سزا مل رہی ہے۔ اسے پیدا کر کے سارا سارا دن چڑ چڑاتی رہتی ہیں۔ اپنا پیٹ بھی بھرتی ہیں اور اس نکمے کو بھی کھانا پکا کر کھلاتی ہیں۔'

'ہاں مجھے بھی ماں جی سے بہت ہمدردی ہے۔'

فصل نے کسی گہری سوچ سے نکل کر کہا۔

'ویر تو بہت بڑا ہو گیا ہے ہر وقت سوچ میں ڈوبا رہتا ہے۔ مجھے بتا کیا بات ہے۔'

'ارے باجی تم بتاؤ۔ کیا بتانے کے لئے بے چین تھیں۔ مجھے تو بڑا ہونا ہی تھا۔ وقت سے پہلے ہو گیا تو کیا ہوا۔ بتاؤ۔ کیا بات ہے مجھے تم کچھ بتانے کے لئے بے چینی سے ٹہل رہی تھیں۔'

'ویر بات یہ ہے کہ۔ میں باجی کے لئے گاؤں سے تحفہ میں ایک کھدر کا کرتہ اور پرس بنا کر لائی تھی۔ انکے گھر انکی ایک دوست آئیں ہوئیں تھیں۔ انکو میرا کام اتنا پسند آیا کہ انہوں نے مجھے ہزار روپے دے دیئے اور کہا۔ مجھے بھی بنا کر

بھیج دینا۔اور ساتھ ہی انہوں نے یہ بھی کہا۔کہ میں چاہوں تو انکے ساتھ رہوں۔کراچی میں انکی ایک بڑی کوٹھی ہے۔ کواٹر بھی ہے جو وہ مجھے دے دینگی۔اور یہی نہیں انکی بہن کا بوتیک بھی ہے۔بھائی میں خوشی میں اتنی دیوانی تھی کہ یہ بھی نہیں پوچھا کہ یہ بوتیک کیا ہوتا ہے۔'

'بوتیک کپڑوں کی بہت بڑی دوکان ہوتی ہے جسمیں بہت اعلیٰ ڈیزائن کے کپڑے ہوتے ہیں۔اور وہاں بہت بڑی بڑی بیگمات آتی ہیں۔دیکھے نہیں ہیں تم نے میگزین۔'

'ارے ہاں وہی دیکھ کر تو میں نے بیگ بنایا تھا۔اور سب سے بڑے مزے کی بات کے وہ خود ڈاکٹر ہیں۔ میں ہر روز انہیں سفید کوٹ پہنے دیکھا کرونگی۔اور اگر انہوں نے اجازت دی تو میں جا کر انکے مریضوں کو دیکھ بھی لیا کرونگی۔تجھے پتا تو ہے ویر میں اسکول جانے کے لئے کتنا تڑپا کرتی تھیں۔میں سوچا کرتی تھیں کہ میں پڑھ کر نرس بن جاؤنگی۔پر ابا نے تو اسکول کا گیٹ تک نہیں دیکھنے دیا۔یہ تو بھلا ہو باجی کا کے انہوں نے مجھے پڑھنا اور لکھنا سکھا دیا۔اور آج باجیوں کے ساتھ بیٹھتی ہوں تو کوئی مجھے ان پڑھ نہیں سمجھتا۔اور وہ لوگ مجھ سے سہیلیوں جیسا سلوک کرتیں ہیں۔ورنہ تو میں کسی گائے یا بکری کی طرح بندھی ہوتی۔'

'ویر تیرا کیا خیال ہے۔نذیر مان جائے گا۔۔۔؟اس باجی نے تو یہ بھی کہہ دیا ہے کہ نذیر کو کسی کام پر لگوادونگی۔'

فصل نے ہنس کر کہا۔'کیا تم نے اس باجی کو یہ نہیں بتایا کہ نذیر تو انسان کی شکل کا بھینسا ہے۔جو کھیتی باڑی میں بھی کام نہیں آتا۔کھاتا ہے اور دندناتا ہے۔'

'نہیں بھائی ایسا نہ کہہ اگر میں بھی یہ چار کتابیں نہ پڑھتی تو میں بھی اسی کی طرح جاہل ہوتی۔یہ تو میری قسمت اچھی تھی جو میں منیجر صاحب کے گھر بڑی ہوئی۔'

'نہیں باجی میں نہیں مانتا۔راستے جب ہی بنتے ہیں جب انسان خود کوئی کوشش کرتا ہے تو کامیابی ہوتی ہے۔صرف قسمت کو ہی دخل نہیں ہوتا حالات کو بنانے یا بگاڑنے میں۔نہیں تو انسان پتھروں اور غاروں میں ہی رہ رہے ہوتے۔ پتے لپیٹ کر ہی پھرا کرتے۔کیوں اگائی کپاس۔کیوں بنایا دھاگا اور پھر دھاگے سے کپڑا۔'

دونوں بہن بھائی ہنسنے لگے۔ 'تو پھر بتاؤ ویر مجھے کیا کرنا چاہئے۔ میں کیا کروں اور کیسے اتنے اچھے موقع کو گنواؤں'

'باجی ایسا کرو۔ تم یہ کپڑے بنا کر مجھے دو اور ایڈرس بھی۔ میں لے جا کر انہیں دونگا۔ اور سب کچھ دیکھ کر آؤنگا۔ اگر مجھے سب کچھ ٹھیک لگا تو تم اور ماں جی چلی جانا۔ نذیر کی مرضی وہ جائے یا نہ جائے۔ تم ضرور چلی جانا۔ زندگی میں موقعے بار بار نہیں ملتے۔ اس بہانے میں بھی شہر کی ہوا کھا لیا کرونگا۔ یہ تو لاٹری ہے باجی اگر کام ہو گیا تو بس مزے ہی مزے۔ میری بہنا تم جیسی ہو ویسے ہی حالات بنتے جا رہیں ہیں۔ خدا تمہارے اوپر مہربان ہو رہا ہے'

زرینہ کی طاقت بڑھ گئی۔ وہ بازار گئی ضروری چیزیں لی اور اگلے دن اپنے گاؤں چلی گئی۔ گاؤں جا کر اسنے اور بھی محنت کے ساتھ پہلے سے بھی زیادہ خوبصورت چیزیں بنائیں۔ اور بھائی کے ہاتھ کراچی روانہ کر دیں۔ فضل کئی دن کے بعد واپس آیا۔ بہت خوش تھا آتے ہی گلے لگا لیا۔ 'باجی تمہاری تو لاٹری نکل آئی۔ بہت بڑی کوٹھی ہے۔ گھر میں کئی نوکر ہیں۔ ڈرائیور ہے۔ باورچی ہے۔ گھر تو ایسا ہے جیسے خوابوں میں کوئی گھر۔ ڈاکٹر صاحبہ بہت اچھی طرح سے ملیں میرا تو خیال ہے آپ ہمت کر لیں'

اسنے ماں جی سے ذکر کیا اسی رات کو نذیر سے بھی کہا۔ نذیر نے ایک دم ہی ہاں کر دی۔ اور کہا۔

'ہاں ضرور چلی جاؤ بہت اچھا موقع ہے۔' زرینہ کو اس جواب کی امید کم تھی۔ وہ اس جواب سے خوش تھی لیکن دل کے کسی حصے میں دکھ بھی چھپا تھا۔

اسی ہفتے نذیر اُسے چھوڑنے کراچی چلا گیا۔ ماں جی اداس تھیں۔ زرینہ نے ماں جی سے کہا۔

'ماں آپ اداس نہ ہو۔ میں وہاں جا کر حالات دیکھتی ہوں۔ اگر تھوڑی سی بھی ان کی رضا ہوئی تو میں آپ کو بلا لونگی۔ زرینہ داکٹر زبیدہ کے پاس کراچی پہنچ گئی۔ وہ بہت خوش ہوئیں زرینہ کو اس کا کواٹر دکھایا۔ یہ کوٹھی کے پچھلے حصہ میں تھا۔ اس نے خاموشی سے کہہ ہی دیا۔ 'باجی اگر میں اپنی ساس کو یہاں بلا لو۔ تو مجھے یہاں رہتے ہوئے ڈر نہیں لگے گا۔ اور وہ آپ کا کچھ کام بھی کر دیا کریں گیں'

'ہاں زرینہ انہیں بھی بلا لینا۔ یہاں ڈر کی کوئی بات نہیں گیٹ پر چوکیدار ہوتا ہے پھر بھی اگر تمہیں ڈر لگے تو بے بی کے کمرے میں سو جایا کرو۔ دراصل میں نے تمہیں بے بی کے لئے ہی زیادہ بلایا ہے۔ میں سارا دن ہاسپٹل میں ہوتی

ہوں بے بی کو نوکروں پر چھوڑتے ہوئے دل نہیں چاہتا اب تم آ گئی ہو تو مجھے اطمنان ہے۔ فرحانہ نے تمہاری بہت تعریف کی تھی اور اسکے بچے بھی تمہارا بہت زیادہ نام لیتے ہیں۔ بے بی کے اسکول جانے کے بعد تم اپنی سلائی کا کام کرلیا کرو۔ میری بہن تمہاری چیزیں اپنے بوتیک میں لے جایا کرے گی۔ اس طرح تمہاری اچھی خاصی آمدنی ہوگی۔ زرینہ بہت خوش تھی۔ بے بی کا ایسا زیادہ کام نہیں تھا۔ وہ صبح ہی اسے تیار کرکے اسکول بھیج دیتی۔ باورچی خانے اور گھر کا کام کرنے کے لئے نوکر تھے زرینہ کے پاس وقت بہت تھا۔ ڈاکٹر زبیدہ کی بہن سے بھی اسکی ملاقات ہوئی انہیں اسکا کام پسند آیا اور انہوں نے بہت سا کام اسے دے دیا۔ لیکن زرینہ کی نظریں ابھی اور آگے تھیں۔ وہ سوچ میں تھی کے کیا کرے ایسا کے اسکے دل کو اور دماغ کو اطمنان ہو۔ اسکا بچہ بھی جلد ہی آنے والا تھا۔ اسے اس کے مستقبل کا بھی خیال تھا۔ خواہشیں بہت تھیں۔ لیکن تنہا تھی۔ اسنے موقع دیکھ کر پھر ساس کو بلانے کی خواہش کی۔

ڈاکٹر زبیدہ نے کہا۔ 'ہاں زرینہ تم انکو ضرور بلا لو اب تم کو بھی ان کی ضرورت ہے۔' اسنے کوا ٹر اپنی پسند کے مطابق سجایا اور بھائی کو ماں جی کو لانے کے لئے خط لکھا۔ پندرہ دن کے اندر ماں جی اسکے پاس آ گئیں۔ زرینہ نے ان کے لئے کمرے میں ہر آسائیش مہیا کردی تھی۔ اس عرصے میں بوتیک کا کام کرکے اچھے خاصے پیسے جمع کر لئے تھے۔ ماں جی آئیں تو بہت خوش ہوئیں اور ڈھیر ساری دعائیں دیں۔

کچھ ہی دن بعد زرینہ ایک بہت ہی پیارے بچے کی ماں بن گئی۔ زرینہ نے بیٹا ماں جی حوالے کیا۔ بس دودھ کے وقت اسے لیتی بہت سا پیار کرتی اور پھر کام میں لگ جاتی۔

ادھر نذیر ماں کے جانے کے بعد بلکل ہی آزاد ہو گیا تھا۔ پہلے کچھ دن تو دوستوں کی صحبت میں پھرتا رہا پھر تنگ ہو گیا۔ اسے بہت شرم آئی اپنے آپ سے۔ اسکی بیوی اور اسکی ماں جن کا اسے اوپر حق تھا وہ ان کے لئے کیا کر رہا ہے۔ وہ اس دنیا میں کیوں آیا ہے جب وہ اس ماں کا بھی حق ادا نہیں کر سکا جس نے پال کرا تنا بڑا کیا تھا۔ خدا کو کیا جواب دے گا۔

گھر میں بستر میلا تھا کپڑے میلے تھے کچن میں مکھیاں بھن بھنا رہی تھیں۔ ایک ہو کا عالم تھا وہ کھڑا ہوا۔ گھر صاف کیا۔ کپڑے دھوئے۔ پاس پیسے نہیں تھے۔ ماں کا بکس ٹٹولا کچھ سکے نکلے۔ آٹا لایا۔ روٹی پکائی اور سوچتا رہا کیا

کرے۔ ماں نہیں ہے روٹی کہاں سے ملے گی۔ پھر کھڈی والے بابا کے پاس چلا گیا۔ بہت دیر خاموش بیٹھا رہا۔ کھڈی والے بابا کو اس پر ترس آیا ان کے سامنے وہ بڑا ہوتھا۔ پوچھا' کیا سوچ رہے ہو'۔ وہ مشکل سے بولا۔' بابا مجھے کام چاہئے۔ مجھے ماں سے اور بیوی سے پیسے لیتے شرم آتی ہے۔'

'تو بیٹا لگ جا کام سے۔ سوچتا کیا ہے۔ کیا میرے ساتھ کام کرے گا۔'

نذیر کھلِ گیا۔' ہاں بابا میں ہر کام کرونگا۔'

'پھر میں تجھے کھڈی کا کام سکھا دیتا ہوں جب تک کام نہیں آجا تا روٹی چائے میرے ساتھ کھا پی۔ جب کام سیکھ جائے گا تو مزدوری بھی لے لینا۔'

نذیر بہت خوش ہوا اب وہ بلکل بدل گیا تھا۔ صبح بابا کے اٹھنے سے پہلے کھڈی پر آجاتا اور رات کو دیر تک کام کرتا رہتا۔ نذیر کے آنے سے بابا کی بھی طاقت بڑھ گئی تھی۔ نذیر کو پوری طرح سے کام آگیا تھا۔ اس کی دیکھا دیکھی گاؤں کے دوسرے لڑکے جو بیکار پھرتے تھے کام سیکھنے آگئے۔ کچھ ہی دنوں میں نقشہ بدل گیا نذیر استاد بن گیا سب کو کام سکھاتا۔ بابا جی نے اپنی جمع پونجی سے دو کھڈیاں اور لگالیں۔ کام بڑھ چکا تھا۔ ساتھ والے گاؤں سے عورتیں روئی سے دھاگا بنا کر دے جاتیں۔ نذیر نے بہت عمدہ کھدر بنانا سیکھ لیا تھا۔ اسنے کچھ کھدر کے تھان بنائے اور کراچی لے گیا۔ زرینہ نے انہیں خوبصورت رنگوں میں رنگوا کر شالیں اور کرتے بنا کر بوتیک میں دے دیئے۔ اتنے عرصے میں زرینہ نے کچھ اسکرین پرنٹنگ اور ہینڈ پرنٹنگ کے کورس بھی کر لئے تھے۔

اسنے اپنے کچھ کرتوں پر اسکرین پرنٹ اور کچھ ریشم کا کام بھی کیا۔ عید کا موقع تھا سردی کے دن تھے ہاتھوں ہاتھ سب چیزیں چلی گئیں زرینہ بھی خوش تھی کے نذیر نے اپنی ذمہ داریوں کو سمجھ لیا ہے۔ ماں جی بھی خوش تھیں۔ کچھ سال اور گزرے زرینہ کے گاؤں کے گھر میں ایک کارخانہ بن گیا۔ جہاں کھدر بھی بنتا تھا اور خوبصورت رنگوں میں رنگ کر پرنٹ بھی ہوتا تھا۔ نذیر اب وہ نذیر نہیں تھا ایک محنتی اور اچھا انسان بن چکا تھا۔ زرینہ اور ڈاکٹر زبیدہ کی بہن مل کر ایک بہت بڑا بوتیک چلا رہی تھیں اب وہ ایک اچھی ڈریس ڈزائنر تھی۔ اچھی انگلش بولتی تھی۔ اسکا بیٹا ایک بہت ہی اچھے انگلش اسکول میں زیرِ تعلیم تھا۔ لیکن زرینہ ابھی بھی سوچتی رہتی تھی۔ بہت سارے خواب اسکے ابھی بھی ادھورے تھے جن کو پورا

کرنے کی جستجو میں وہ دن رات محنت کر رہی تھی۔اسکی خواہش تھی کہ وہ گاؤں گاؤں جائے اور وہاں سے اپنی جیسی لڑکیوں کے وہ خواب پورے کرے جو اِن کے ادھورے رہ گئے تھےلیکن کیسے۔۔۔؟

گاؤں کے تو ہر گھر میں اسکے باپ جیسا جیلر موجود تھا۔کام کرتے کرتے جب وہ تھک جاتی تو یہی سوچتی رہتی۔کیسے بدل دوں اس سارے نظام کو۔بیمار ذہنوں کو۔فرسودہ رسموں کو۔عورت جو زیادہ محنت کرتی ہے۔زیادہ لگن سے آگے بڑھتی ہے۔اسکی خواہشوں کو ایک ڈانٹ اور ایک حکم سے کیوں پیچھے کر دیا جاتا ہے۔وہی کیوں محروم ہے پھر اسنے اپنے گاؤں میں ایک دستکاری اسکول کھولنے کا تہیہ کر لیا نذیر سے کہا۔

’زمین کا وہ حصہ جو تم نے میرے نام نکاح کے وقت لکھا تھا اسے ہموار کروا کر چار دیواری بنا کر کمرے بنا دو۔ میں وہاں ایک اسکول بنانا چاہتی ہوں۔جہاں تعلیم کے ساتھ کچھ ہنر بھی سکھایا جائے۔کام کرنے والی لڑکیوں کو معاوضہ بھی ملے تاکہ لوگ اپنی بیٹیوں کو کھیتوں پر بھیجنے کے بجائے وہاں بھیجیں۔اور مرد لوگ گلیوں میں بیٹھ کر تاش کھیلنے کی بجائے کھیتوں میں کام کریں گے۔اور یہ کام تم اچھی طرح سے کر سکتے ہو نذیر مجھے اسکا یقین ہے۔‘

۔:ختم شد:۔